حیاتِ قادر

مؤلف

عبید اللہ دُرّانی

باب نمبر ا

ظہور

انسانی تاریخ میں کئی دور گذرے ہیں اور ہر دور میں ایک نہ ایک ہادی، پیغمبر، اوتار اور مجدّد ضرور آیا ہے۔ قومیں کسی طرح بنتی ہیں ان کا بچپن کس طرح شروع ہوتا ہے۔ ان کا جوانی میں کیا ہوتا ہے۔ ان کی پیری کیسے آتی ہے اور کیوں آتی ہے۔ جاہل قومیں ایک پیغام اور مشن لے کر ساری دنیا پر کس طرح چھا جاتی ہیں۔ پیغام اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ ان میں نوجوان بھی ہوتے ہیں ان کے خون میں گرمی بھی ہوتی ہے اور جوش عمل بھی مگر پھر بھی وہ زوال پذیر ہو جاتی ہیں اور اس طرح مٹ جاتی ہیں کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ ان کی کہانیاں تک فنا ہو جاتی ہیں۔ ایسی قوموں کا بھی سراغ ملتا ہے جو ہزاروں سال سے بے نام و نشان سادہ اور مختصر زندگی گذار رہی ہیں مگر ان میں اچانک ایک ایسا فرد پیدا ہو جاتا ہے جو اس قوم کی روح طفلی کو جوان کر دیتا ہے اور وہ حُسن کی روشنی کی امنگوں کے ساتھ دنیا کے ایک بڑے حصّے پر چھا جاتی ہے۔ ایسی قومیں بھی ہوتی ہیں جو تہذیب و تمدّن کے سیلاب میں بہہ کر وہاں پہنچ جاتی ہیں جہاں "صراطِ مستقیم" کا تصور بھی نہیں آتا اور ان میں اخلاقی اور روحانی امراض دق اور جذام کی طرح داخل ہو کر انہیں تباہ کر دیتے ہیں۔ ایسی قومیں بھی پائی جاتی ہیں جو اپنے شعور اور ادراک کے بل بوتے پر فطرت کی طاقتوں پر تسلط حاصل کرنے میں اس طرح غلطاں و پیچاں ہوتی ہیں کہ خالق فطرت کو بھول جاتی ہیں اور اپنی زندگی کے طرزِ عمل سے غفلت برتنے لگتی ہیں۔ بعض قوموں میں فرد و ملّت کی جدوجہد کی ترازو کا کبھی ایک پلّہ بھاری ہوتا ہے تو کبھی دوسرا۔ سیاست کے ایسے قانون بنائے جاتے ہیں جن میں فرد کی اہمیت نہیں ہوتی اور قومی اقتدار کی خاطر عالمگیر جنگیں شروع ہو جاتی ہیں اور لاکھوں انسان جن میں سے ہر ایک اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ بجائے خود ایک قوم کہلایا جائے گا جردمولی کی طرح کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ جہاں انفرادیت کا پلّہ بھاری ہوتا ہے وہ لوگ ملّت اور اجتماعیت کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کر لیتے ہیں۔ جس طرح ہر فرد کا رنگ و روپ جدا، کیریکٹر اور خیالات اور نصب العین مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر قوم کا کیریکٹر، راہِ عمل اور نصب العین بھی الگ الگ ہوتا ہے۔ علاوہ سیاسی اور معاشرتی نقطہ نگاہ کے علمی دنیا میں بھی ہر زمانہ کے فلاسفر، شاعر، آرٹسٹ اور معلم جدا جدا اپنا اپنا رنگ لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کبھی یہ ماحول کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی ماحول کے تضاد میں کبھی ماحول کی خامیاں ان کی ذات سے تدوازن میں آتی ہیں اور کبھی یہ خود ماحول کی منتشر قوتوں کو اپنے مرکز پر جمع کر کے ایک رُخ اور راستہ پر لاتے ہیں۔

جب یونانی فلسفہ کا تعلق اسباب سے ہٹ کر توہم پرستی میں بس گیا اور جس کے باطن پر حسن ظاہر کا ایک آہنی پردہ پڑ گیا تو سقراط نے جنم لیا جس کی ظاہری صورت اتنی قبیح تھی کہ بچے ڈر کر بھاگ جاتے تھے مگر باتیں ایسی شیریں اور اتنی دلکش کہ صرف دو چار ہی باتوں کو سُن کر لوگ مرید ہو جاتے تھے۔ اس نے ان تمام توہمات اور عقائد کو جو صدیوں سے حقیقت کی شکل میں ڈھل گئے تھے فہم اور ادراک کی کسوٹی پر گھِس کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس نے بتایا کہ فطرت اور کائنات حق کی ایک کتاب ہے اور ان سب کا تسلسل علّت کی کڑی ہے۔ اس نے بتایا کہ خواہ کوئی چیز ساکن ہو یا متحرک۔ جاندار ہو یا بے جان اگر اس کی حقیقت تک علّت اور اسباب کی کڑی مل جائے تو اس کی تہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ وہ بت پرستی اور توہم پرستی کے دور میں پیدا ہوا۔ مگر ماحول کی زبان بولتا تھا۔ ماحول ہی کے تصورات کے ذریعہ اس نے اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ افلاطون یا اس کے دو چار شاگردوں نے اس کے باطن کو پا لیا تھا۔ مگر دوسروں کے لئے اس کا وجود ایک سخت مصیبت تھا۔ صدیوں کے پرانے رسم و رواج، خیالات اور عقائد کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے۔ قوم کب اس کو گوارہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ اسے زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ جسے اس نے خوشی خوشی پی بھی لیا اور شہادت پائی۔ شہید کبھی مرتے نہیں۔ آج یورپ جو مادی تہذیب میں حیرت انگیز کرشمے دکھا رہا ہے اسی شہیدِ حق کی قربانیوں کا صدقہ ہے۔

جب سلطنت روما اپنے فوجی اقتدار اور بے پناہ اجتماعیت کی بناء پر سارے عالم پر چھا گی تو جناب مسیحؑ عشق و محبت کا پیغام اور ہر بیکس و مسکین کے دل کی اہمیت کا احساس لے کر ظاہر ہوئے اور ظاہر پرستوں کے تصور ہیں بقول ان کے صلیب پر چڑھا دیئے گئے۔ مگر آج دنیا میں مروّت اور باہمی محبت اور غریبوں کی دلجوئی اور فرد کا ذات سے تعلق کا احساس مسیح علیہ السلام ہی کا مرہونِ احسان ہے۔

ہندوستان میں جب برہمنی تصوت باطنی اصلاح اور فنائیت کی راہ سے ہٹ گیا اور رسوم و عبادات کی ظاہری اور رسمی پابندی کا خول ہی خول رہ گیا تو بُدھؔ اٹھا جس نے سمجھایا کہ انسان کا اصل مقام اس کا جسم، اس کی عقل، اس کا شعور نہیں ہے بلکہ انسانیت کا ارتقا اس کا مقام ہے اور روح کو بیدار کرنا اور اس کو پا جانا اس کی حیات کا مقصد ہے۔ وہ ایک شہزادہ تھا۔ لوگوں کے دلوں میں اس کی توقیر تھی۔ اس کی زندگی تو اچھی کٹ گی مگر اس کے بعد ہزاروں بدھ مذہب کے پیرو شنکر آچاریہ کے علم کے نیچے تہ تیغ کر دیئے گئے۔

تاریخ کا مطالعہ کیا جائے اور بزرگوں کے متعلق یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ کون سا ماحول کس شخصیت کو کس وقت پیدا کرتا ہے تو یہ بحث الگ ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ عرب کی تاریخ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ عرب کا ماحول وہاں کی

قوموں کی ظاہری برائیاں اور سوئی ہوئی باطنی خوبیاں پھر ان میں ایک مقدس ہستی کا ظہر جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافی اور شافی ہے یہ سب کچھ روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے۔

سائنس والوں کا کہنا ہے کہ اس کرہ زمین کو وجود میں آئے ہوئے تیس کروڑ سال ہوئے اور زندگی کی پہلی علامت جو پانی میں چھوٹے چھوٹے کیڑوں کی شکل میں ظاہر ہوئی اس کو تین کروڑ سال گذرے ہیں۔ زندگی کی تدریجی ارتقاء میں مادہ اور قوت کے باہمی توازن سے ایک تیسری چیز بنتی ہے جس کا کوئی مستقل نام ابھی سائنس نے تجویز نہیں کیا۔ اس کو کبھی شعور کہتے ہیں اور کبھی جان یا روح اور پھر زینہ بزینہ اور منزل بمنزل ترقی کرتے کرتے انسانی حالت میں آکر یہی قوت ایک خاص شکل تک پہنچتی ہے۔ اگرچہ ابھی تک خود انسانیت کی تکمیل نہیں ہوئی۔ تین کروڑ سال یا جتنا بھی عرصہ لگا ہو۔ اس دوران میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے اور ان کے زیر سایہ ارتقائے انسانیت ہوتی رہی۔ غور کیجئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ساری کاوش اور حیاتِ عالم کا مقصد اسی ایک رُخ پر چلتا رہا ہے۔ مادی ذرات کی بے پناہ تیز رفتاری، زلزلہ اور طوفان کے قیامت خیز اثرات، موسموں کی نرم اور دھیمی چال، چاند کا گھٹنا اور بڑھنا، سورج کا طلوع اور غروب، بہار اور خزاں، سمندر اور خشکی کی لاکھوں قسم کی مخلوق، زندگی کی روزمرہ کی کاوشیں، جنگ وجدل، ملکوں کی ناراجی، قوموں کا عروج وزوال اور بقائے نسل کی تدبیریں یہ سب کچھ اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ صرف ایک مقصد کے لئے تھا اور مقصد یہ تھا کہ ''انسان حق کو پہچانے اور حق تک پہنچے۔'' عالم وجود کے آئینہ میں ایک ایسا رُخ بھی ظاہر کرنا تھا جس کا باطن خود آپ تھا۔

باطن سے ظاہر کا وجود ہوتا ہے کیونکہ روشِ کائنات مرکز سے دائرہ کی طرف چل رہی ہے۔ قدرت ایک ہستی کو مرکز تخلیق بنانا چاہتی تھی اور اُسے بشریت کے رُوپ میں پیش کرنا چاہتی تھی۔ تعجب کی بات نہیں اگر پہاڑوں نے زمین اور آسمانوں نے قدرت کی اس امانت کو قبول کرنے سے خوف کھایا اور انکار کر دیا۔

آسمان ارِ امانت نتوانست کشود　　قرعہ فال بہ نامِ من دیوانہ زدند

(آسمان امانت کا بوجھ نہ اُٹھا سکا۔ تو فال کا قرعہ مجھ دیوانے (انسان) کے نام نکال دیا گیا)

یہ عظیم امانت۔ یہ عظیم شے کا باطن نور محمدی ہے۔ یہ ازل سے چلا تھا اور منزلیں طے کرتا ہوا آدم کی پیشانی پر جلوہ فرما ہوا۔ یہی موسیٰؑ کے جلال میں چمکا۔ اس نے عیسیٰؑ کے عشق میں گرمی پیدا کی۔ یہی تھا جس نے ارسطو کی عقل کو سہارا دیا۔ جو لقمان کی حکمت بنا اور جس نے بدھ کو سعادت بخشی۔ گویا اس طرح قالب کی تکمیل ہوتی رہی یہاں تک کہ لم یلد ولم یولد کے لئے ایک ایسا سانچہ تیار ہوا جس میں وہ سما سکے۔ بالآخر یہ ذات نبی کریم سیدنا محمد ﷺ کے روپ میں ظہور پذیر ہوئی۔ اور اس عظیم مقصد حیات کی

تکمیل کروڑوں سال کے مدّوجزر کے بعد آپ کی باوقار ذات میں قیام پذیر ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم (آج کے دن مکمل کر دیا تمہارا دین تمہارے لئے) وہ نور جو ہر حرکت اور ہر زندگی اور ہر وجود کا باطن ہے رسول مقبولؐ تک پہنچا اور وہیں مقیم ہو گیا۔ سردار کونین کا پیغام اور مقصدِ حیات کیا تھا؟ وہ دنیا میں کیوں تشریف لائے اور کیا کر گئے۔ ان پاکیزہ تفصیلات سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

ادب گاہیست، زیر آسمان از عرش نازک تر　　کہ سر خم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

(آسمان کے نیچے ادب کی ایک وہ جگہ بھی ہے جہاں جنید و بایزید (جیسے بڑے مرتبہ والے) بھی سر جھکا کر آتے ہیں)

لیکن کیا وہ نور آنحضرتؐ کے جسم اطہر کے ساتھ زیر زمین پوشیدہ ہو گیا۔ فرمان باری لولاک لما خلقت الافلاک شاہد ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ سورج اور چاند، زمین اور آسمان سب فنا ہو جاتے۔ جب بحکم ربی حضرت جبرائیل نے رسول اللہ کو بھیجا تو اُمّی ہونے کے باوجود آپ کا سینہ علم و عرفان کا سمندر بن گیا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے سینے سے لگایا اور اس طرح

اَنَا مَدِینَۃُ العِلْمِ وعَلِیٌّ بَابُہَا

(میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ)

کی بنیاد رکھی اور وہ دولت سرمدی سینہ بہ سینہ اسی طرح آرہی ہے اور تا ابد چلتی رہے گی۔ یہ وہ راز ہے جسے فقرا اپنے سینہ میں چھپائے رکھتے ہیں اور عصمت و عفّت کی طرح اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں خصوصاً اور تاریخ انسانیت میں عموماً پچھلے چودہ سو سال میں کتنی ہستیاں اس کی متحمل ہوئیں۔ وہ کسی ماحول میں اُٹھیں اور انہوں نے اپنی زندگی میں کیا کارہائے نمایاں کئے۔ اس کی تفصیل ایک اور کتاب بن جائے گی۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے سوئی ہوئی قوم کو کس طرح جگایا۔ کس طرح روحانی بیماریوں کے معالج بنے۔ بشر اور رب کے ٹوٹے ہوئے ناتے کو کیسے جوڑا۔ حضرت معین الدین چیشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے توحید کی کثرت کو کس طرح وحدت کی یک رنگی میں پیش کیا۔

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں　　ہم کہاں ہوتے اگر حُسن نہ ہوتا خود بیں

حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے تصوّف کے جامے سے گرد کیسے جھاڑی، حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے باطنی دنیا کے نظام کا کونسا ڈھانچہ تیار کیا۔ حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے دہلی سلطنت کی کج کلاہی کو کیسے درست کیا۔ حضرت مخدوم صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ نے کیسے یہ ثابت کیا کہ عاشق کی ہٹ بھی مشیت کے ظرف سے باہر نہیں ہے۔ حضرت وارث علی

شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے کیسے ارواح خبیثہ کی پرستش اور ان کی قوتوں کے تسلط کو ختم کر کے خودی کو رضائے الٰہی میں ضم کرنا سکھایا۔ حضرت بابا تاج الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ نے کس طرح جسم اور روح کی ''میں'' اور ''تو'' کی دوئی کو ہٹا کر سچی توحید کا رنگ رچایا۔ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر کوئی باطن میں غرق ہو جائے تو یہ ساری باتیں آپ ہی آپ سمجھ میں آجائیں گی۔

کن فیکون سے پہلے

یک زماں بود کہ من فکر معلق بودم — نازشِ دہر بہ گہوارۂ فطرت بودم

کنز مخفی و وجودے بودم — لائق کارگہِ بزم نمودے بودم

سِرّ اسرار ہو تھی میں کن فیکوں سے پہلے — حد افکار تھی میں کن فیکوں سے پہلے

پیک پیکار تھی میں کن فیکوں سے پہلے — خطِ پرکار تھی میں کن فیکوں سے پہلے

بزمِ توحید میں کب میری سمائی ہوتی — لامکاں خود ہی تھی میں کن فیکوں سے پہلے

.....

در مقامے کہ خدا بود محمدؐ دیدم

نقش بر عش الٰہ را بہ محمدؐ دیدم

منبع نور الٰہ نور محمدؐ دیدم

لِلّٰہ الحمد خدا را بہ محمدؐ دیدم

محو تنویر تھی میں کن فیکوں سے پہلے

ھو کی تفسیر تھی میں کن فیکوں سے پہلے

نقشِ دلگیر تھی میں کن فیکوں سے پہلے

گویا تصویر تھی میں کن فیکوں سے پہلے

اسودی نور تھی میں کن فیکوں سے پہلے

لمعہ نور تھی میں کن فیکوں سے پہلے

پر قسم کھا کے احد کی میں کہوں گی احمدؐ

تم پہ بلہار تھی میں کن فیکوں سے پہلے

.....

در مقاماتِ جنوں نام محمدؐ گفتم

قبل از کن فیکوں نام محمدؐ گفتم

از ھو الاول و آخر بہ محمدؐ گفتم

شوق ایں بود کہ در پردہ محمدؐ گفتم

امرِ بے چون تھی میں کن فیکوں سے پہلے

کافِ بے نون تھی میں کن فیکوں سے پہلے

نکتہ رازِ ازل آن ہو الاول تھی

لم یزل ذات تھی من کن فیکوں سے پہلے

عشق میں نام محمدؐ کا لئے جاتی تھی

روح قدس تھی میں کن فیکوں سے پہلے

سالہا سال کی گردش میں ہوئی ہے دیری

عازم سفر تھی میں کن فیکوں سے پہلے

.....

پاس احکام تو ایں قدر بہ ظاہر کردم

رازِ باطن نہ عیاں در نفس خود کودم

وحدت ذاتِ وجودے وصفاتے کردم

نقد جاں شانِ نزولِ دلِ قرآن کردم

قادرِ مطلق و قیوم تھی ذاتِ باری

جانِ یزداں تھی میں کن فیکوں سے پہلے

داخلِ پردہ وحدت جو ہوئی تھی کثرت

اس میں ملفوف تھی میں کن فیکوں سے پہلے

اس میں ملفوف تھی میں کن فیکوں سے پہلے

قرن ہا قرن سے میں صل علیٰ کہتی تھی

جانِ فرقان تھی میں کن فیکوں سے پہلے

اب کھلا مجھ پہ ولیؔ احسنِ تقویم کا راز

راز جو راز نہ تھا کن فیکوں سے پہلے

(ولی الدین)

تمہاری آن افلاکی　　تمہاری شان لولاکی

تم ہی ہو کنز مخفیاً　　شبیہہِ پاک مولیٰ کی

نشانِ والضحیٰ تم ہو　　تم ہی تفسیر طٰہٰ کی

تم سے سید عالم　　ہویدا شان اللہ کی

منور ہو گئی تم سے　　زمین پاک طیبہ کی

سلام مرسلیں تم پر　　سلام نوری و خاکی

سلامِ بے کساں تم پر　　سلام چشم تمنا کی

ولیؔ کے چارہ گر مونس　　مسیحائے دل پاکی

ولیؔ نے جب تمنا کی　　تمہاری ہی تمنا کی

(ولی الدین)

جہاں میں ہر طرف جلووں کی ہے اتنی فراوانی

کہ سینہ میں کھٹکتی ہے نگاہ و دل کی ویرانی

نہیں آسان گلچینی گلستاں میں محبت کے

وہاں پھولوں کی ارزانی یہاں کانٹوں کی ارزانی

فقیری بندگی کے روپ میں شانِ خداوندی

یہی ہے راز درویشی یہی رمزِ جہانبانی

یہ فیضِ لاالہ تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

بتائے وار پر منصورؔ نے اسرارِ ربانی

جسے راست آگئی آب و ہوائے آرزومندی

وہ ہے کردار میں گفتار میں اعجاز قرآنی

جنید و بایزید و شمس تبریز و معین الدین

تری محفل میں جب پہنچے کیا اقرارِ نادانی

فقیہ شہر سے کہہ دو یہ ہے میخانۂ عرفاں

متاعِ ہوش کھو کر اس جگہ ملتی ہے حیرانی

جہاں ماو تو سے ماورا ہے عالم الفت

یہاں نوری بھی ناری ہے یہاں یہاں ناری بھی نورانی

سکھائے مجھ کر پروانے نے اندر زبراہیمی

مجھے بے چین رکھتی ہے ہر اک شعلے کی تابانی

بحال زار می آیم بہ پیش حضرتِ قادر

چہ خواہد ایں مریض جاں بلب واللہ تو میدانی

(رحمن بابا)

☆...☆...☆